6

اپنے ایمان کی خوشبو پھیلائیں

(فرمودہ ۱۳ فروری ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

صداقت اپنی ذات میں گو کسی تصدیق کی محتاج نہیں لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ہمیشہ قیمت اور قدر اسی نسبت کے لحاظ سے ہوتی ہے جس نسبت سے کہ وہ لوگوں کو نفع اور فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ ہر ایک چیز کی قیمت وہی ہوتی ہے۔ جو اس سے دنیا کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اور سکتا ہے اور سکنا میں فرق ہے۔ "سکتا" دو طرح پر ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ چیز خود اپنی ذات کے لحاظ سے کتنا نفع پہنچا سکتی ہے اور ایک یہ کہ واقعہ میں کتنا نفع پہنچاتی ہے۔ اگر ایک چیز فائدہ دینے والی ہے اور وہ نفع پہنچا سکتی ہے لیکن عملاً وہ نفع نہ دے تو کم سے کم وہ اس زمانہ کے لئے جس میں وہ دنیا کو نفع نہیں پہنچا رہی ایک بے حقیقت چیز ہے۔ اس کی اصل قیمت اسی وقت سے شروع ہو گی کہ جب وہ دنیا کو فائدہ پہنچانا شروع کر دے۔

مذاہب کی قدر و قیمت بھی میرے نزدیک اسی لحاظ سے ہے۔ بے شک اس میں کوئی شک اور شبہ نہیں کہ مذہب میں وہ طاقتیں ہیں کہ جس سے دنیا کو بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے اور یہی بات ہے کہ جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز اور افضل ہے۔ لیکن محض اس نسبت کے لحاظ سے کہ اس میں ایسی طاقتیں موجود ہیں۔ اس کی اصل قدر و قیمت ظاہر نہیں ہوتی۔ اس کی اصل قیمت اور قدر جب ہو گی کہ وہ عملی طور پر لوگوں کو نفع پہنچائے۔ سونے کی قیمت اس وقت سے پڑنی شروع ہوتی ہے جب وہ کان سے باہر آجاتا ہے اور لوگ اس سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ لیکن جب تک وہ کان کے اندر مخفی ہوتا ہے اس کی کوئی قیمت اور قدر نہیں ہوتی۔ سمندر کی تہہ میں لاکھوں موتی موجود ہیں مگر ان کی کیا قیمت ہو سکتی ہے۔ ان کی قیمت اسی وقت ہوتی ہے کہ جب وہ لوگوں کے

ہاتھوں میں آتے ہیں اور ان کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔

اسی طرح مذہب کی اصل قیمت بھی اس وقت سے شروع ہوتی ہے کہ جب وہ دنیا کو فائدہ پہنچائے۔ پس کسی مذہب اور سلسلہ پر تب ہی فخر کیا جا سکتا ہے اور اس کے ماننے والے تب ہی اس پر ناز کر سکتے ہیں کہ وہ دنیا میں اس کو پھیلا کر لوگوں کو اس کا حلقہ بگوش بنا دیں۔

مجھے افسوس سے اس امر کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کہ جس کا قیام اس اشاعت کے زمانہ میں ہوا ہے۔ وہ اس اشاعت کے کام میں بہت پیچھے ہے۔ جو تعداد اس وقت کام کرنے والوں کی ہے۔ اور جو تعداد اس وقت سلسلہ میں داخل ہونے والوں کی ہے۔ ان کی تعداد اور اپنے کام کو مد نظر رکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ ہم نے کیا وہ بالکل حقیر ہے۔ یہ بات جو میں کہتا ہوں تو اپنی محنت کے لحاظ سے ورنہ خدا کے فضلوں پر نظر کرتے ہوئے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ اس کا فضل اور انعام ہی انعام ہے۔ مگر ہمیں جو کوشش اور محنت سے کام لینا چاہیے تھا اور جو اس کے نتائج پیدا ہونے چاہیے تھے نہ ہم نے وہ کوشش کی اور نہ وہ نتائج پیدا ہوئے۔

اگر دیکھا جائے تو جو لوگ کہ سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ وہ بھی اکثر ایسے لوگ ہیں جو ہماری کوشش سے سلسلہ میں داخل نہیں ہوئے۔ بہت ہیں جو خوابوں کے ذریعے داخل ہوئے اور بہت ہیں جو پہلے بزرگوں کی حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق باتیں سن کر ایمان لائے اور سلسلہ میں داخل ہوئے اور بہت ہیں جنہوں نے حضرت صاحبؑ کے نشانات دیکھے اور بہت ایسے ہیں کہ جنہوں نے حضرت صاحبؑ کی تائید میں نشان دیکھے اور وہ سلسلہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر اس موجودہ رفتار سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوتے رہے تو کہیں دس ہزار سال میں جا کر ہم دنیا کو اپنے سلسلہ میں داخل کر سکتے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس سلسلہ کو اتنی لمبی زندگی بھی میسر آئے گی۔

نبیوں کے سلسلوں کو ہم دیکھتے ہیں۔ تو آدمؑ کا سلسلہ نو سو سال تک اور حضرت نوحؑ کا سلسلہ ساڑھے نو سو سال تک اور حضرت موسیٰ کا انیس سو سال تک چلا پھر ختم ہو گیا۔ غرض جتنے سلسلے بھی شروع ہوئے۔ دو ہزار سال سے بڑھ کر کسی نے زندگی نہیں پائی اور اگر ہم یہ دیکھیں کہ جو نبی سلسلہ کی آخری اینٹ کے طور پر آتا ہے۔ ان کی ابتداء بالعموم کمزور ہوتی ہے۔ تو ہماری گھبراہٹ اور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت نوحؑ سے حضرت ابراہیمؑ تک اگر نو سو سال بنتے ہیں۔ تو حضرت ابراہیمؑ سے حضرت موسیٰؑ تک دو سو سے چھ سو سال تک بنتے ہیں۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ سے لیکر حضرت مسیح تک تیرہ سو سال بنتے ہیں۔ تو حضرت مسیح سے حضرت نبی کریم ﷺ تک چھ

سو سال کے قریب بنتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نبی کریم ؐ سے تیرہ سو سال بعد حضرت مسیح موعودؑ مبعوث ہوئے۔

اگر یہی طریق اور سنت خدا تعالیٰ کی اس جماعت کے ساتھ بھی رہی تو ہماری جماعت کی عملی زندگی چھ سو سال سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی۔ مگر جس رفتار سے ہم کام کر رہے ہیں اور جس رفتار سے ہم لوگوں کو سلسلہ میں داخل کر رہے ہیں اس لحاظ سے تو ہم دس ہزار سال میں جا کر اپنے کام کو پورا کر سکتے ہیں۔ حالانکہ گزشتہ تجربہ کے لحاظ سے ہمارا زمانہ چھ سو یا سات سو سال یا زیادہ سے زیادہ ہزار سال سے زیادہ نہیں کیونکہ اس کے بعد قیامت ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ قیامت کن معنوں میں ہے۔ مگر بہرحال اس کے بعد قیامت کا زمانہ ہے۔ پس زیادہ سے زیادہ ہمیں ہزار سال کا زمانہ مل سکتا ہے۔ جس میں ہمیں تمام دنیا کو مسلمان اور احمدی بنانا ہے۔ اور نہ صرف احمدی بنانا ہے بلکہ اسلام سے ان کو واقف کرنا اور ان کی تربیت بھی کرنی ہے۔ میرے نزدیک ہماری جماعت میں جو آج تک تبلیغ کا کام کر رہے ہیں ان سب کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ نہیں۔ جس سے ہم اپنی اصل طاقت کو بھی اتنے عرصے میں قائم نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ اپنی زندگی کو بھی قائم نہیں رکھ سکتے بلکہ اس کام کے لحاظ سے اور اس تعداد کے لحاظ سے جو ہم اپنے سلسلہ میں داخل کر رہے ہیں۔ مشکل ہے کہ ہم اپنی زندگی کے آثار کو بھی اتنے عرصہ میں قائم رکھ سکیں۔ کیونکہ سلسلہ کی اصلی طاقت کا زمانہ بہت کم ہوتا ہے۔ مثلاً رسول کریم ﷺ نے بھی تین سو سال کے بعد کے زمانہ کو فیج اعوج کا زمانہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیحؑ کے سلسلہ کی زندگی کا زمانہ بھی تین سو برس ہی تھا۔ بلکہ اگر سلسلہ کی روحانی زندگی پر نظر ڈالی جائے تو وہ زمانہ اس سے بھی بہت کم ہے۔ اس کے لئے سو یا سوا سو کا ہی زمانہ رہ جاتا ہے۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے ظاہری طور پر اور روحانی طور پر عملی رنگ میں یہ کام جس کے پیچھے ہم پڑے ہوئے ہیں ایک ناممکن کام نظر آتا ہے۔ مگر یہ ناممکن نہیں بلکہ ممکن ہے۔ خدا کے وعدے سچے ہیں اور وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے۔ مگر ہماری سستی اور غفلت اور ہماری کوتاہی اس کام کو پیچھے ڈال رہی ہے۔

میں نے بارہا جماعت کو اور جماعت کے افسروں اور کارکنوں کو توجہ دلائی ہے۔ کہ وہ اپنے فرض کو اور کام کی نزاکت کو سمجھیں۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ باوجود میرے بار بار توجہ دلانے کے بھی بہت کم ہیں جنہوں نے اس طرف توجہ کی اور مجھے افسوس ہے کہ جو متوجہ ہوئے ہیں انہوں نے بھی جو توجہ کا حق ہے ویسی توجہ نہیں کی۔ اور ان میں سے بھی بہت کم ہیں جنہوں نے اس بات کو سمجھا ہو

کہ اپنی طاقتوں کو اس راہ میں کس طرح خرچ کرنا چاہیے۔ میرے نزدیک اس لحاظ سے سو سوا سو سے زیادہ آدمی نہیں جو حقیقی طور پر تبلیغ کا کام سرانجام دیتے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ سلسلہ میں داخل ہونے والوں کی رفتار اس قدر سست ہے۔ حالانکہ جماعت خدا کے فضل سے لاکھوں کی تعداد میں ہے۔

یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک احمدی سال بھر برابر کوشش کرتا رہے اور وہ سال بھر میں ایک بھی احمدی نہ بنا سکے۔ حالانکہ جو چیز اپنے اندر طاقت اور جذب رکھتی ہے۔ ناممکن ہے کہ وہ دوسری طاقت کو اپنی طرف نہ کھینچے۔ یہ ناممکن ہے کسی پر عطر چھڑکا جائے اور اس کو اس کی خوشبو نہ آئے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آگ ہو اور گرمی نہ ہو۔ یا برف ہو اور ٹھنڈک نہ ہو۔ پس اگر ایک احمدی جس کو ایمان اور عرفان حاصل ہے۔ تو پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ کوشش بھی کرے اور پھر دوسرے کے دل میں ایمان اور عرفان پیدا نہ ہو۔ اگر باوجود کوشش کے ہم دوسرے کے اندر ایمان وعرفان پیدا نہیں کر سکتے تو پھر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خود ہمارے اندر ہی ایمان و عرفان کی کمی ہے۔ یا دنیا میں رہ کر ہم دنیا کے لوگوں سے علیحدہ رہتے ہیں ورنہ ہماری کوشش اور محنت کا ضرور اثر ہوتا۔ اگر ہم دنیا میں رہ کر دنیا کو نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر ہماری تربیت سے دنیا کو کوئی نفع نہیں پہنچتا تو ہمارا اپنی ذات میں مفید اور نفع مند ہونا کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر ہمارے اندر ایمان اور عرفان ہے۔ تو ضرور ہماری کوشش اور توجہ دوسروں کو کھینچنے والی ہو گی۔ اگر ہمارے اندر ایمان و عرفان کی گرمی ہوگی تو وہ ضرور دوسروں کے اندر بھی گرمی پیدا کرے گی۔ میں پھر احباب کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرض کو اور وقت کی نزاکت کو سمجھیں۔

مجھے افسوس ہے کہ کچھ کام جو جماعت کے افسروں اور کارکنوں کے سپرد ہیں جماعت کے لوگ ان کے پورا کرنے میں بہت کم حصہ لیتے ہیں۔ اگر قادیان کے لوگ ان کا ہاتھ بٹانے میں اپنا عملی نمونہ دکھائیں تو جماعت کے امیروں اور سیکریٹریوں اور کارکنوں کے کام میں دقت پیش نہ آئے۔ بعض وقت ایک ناظر کام کرنا چاہتے ہیں۔ لوگوں کو جلسے کے لئے بلاتے ہیں۔ تا مفید تجاویز پیش ہوں اور ان پر عملدر آمد کیا جائے۔ لیکن جلسہ میں بہت کم شریک ہوتے ہیں۔ پچھلے دنوں ہی میرے کہنے پر ناظر صاحب دعوت و تبلیغ نے جلسہ کیا تا تبلیغ کے لئے مناسب انتظام کیا جائے۔ لیکن قادیان کے چوبیس سو احمدیوں میں سے صرف بیس پچیس آدمی ان کے جلسہ میں شریک ہوئے۔ جس کے صاف یہ معنی ہیں کہ انہوں نے اپنے عمل سے ان کو یہ جواب دیا ہے کہ تبلیغ کرنا ہمارا کام نہیں یہ

تمہارا کام ہے۔ تم ہی کرتے پھرو۔ میں ہمیشہ حیران ہوتا ہوں کہ جب لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور اس میں گزشتہ لوگوں کے حالات اور واقعات کو پڑھتے ہیں۔ اور وہ واقعات سب ان پر چسپاں ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اپنی جگہ بیٹھے ہوئے گزشتہ قوموں کو کوستے رہتے ہیں کہ انہوں نے ایسا کیا۔ حالانکہ جو کچھ انہوں نے کیا یہ خود بھی وہی کچھ کر رہے ہوتے ہیں۔ گو یہ منہ سے تو موسیٰ کے ساتھیوں والا کلمہ نہیں کہتے مگر عملاً یہ بھی ان کی طرح اذھب انت وربک فقاتلا اناھھنا قاعدون (المائدہ ۲۵) کہتے ہیں۔ مجھے تعجب آتا ہے اور میں حیران ہوتا ہوں کہ بہت ہیں جو قرآن پڑھتے وقت گزشتہ قوموں کی حرکات پر افسوس کرتے ہیں۔ اور ان کو بے وقوف بناتے اور ان کے برے برے نام دھرتے ہیں اور بہت ہیں کہ ایسی آیات کو پڑھتے وقت ان کے بدن پر قشعریرہ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں نوے فیصد ایسے ہوتے ہیں جن کی اپنی حالت ان سے کم نہیں ہوتی۔ جب وہ خود اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی اشاعت میں عملی حصہ نہیں لیتے تو ان کا کیا حق ہے کہ وہ موسیٰ کے ساتھیوں پر تعجب اور حیرانی کا اظہار کرتے ہیں گو تم منہ سے اقرار ہی کرو۔ مگر عملاً تم نے وہی کچھ کہا جو کہ موسیٰ کے ساتھیوں نے کہا۔ میرے نزدیک جہاں لوگوں کا قصور ہے۔ وہاں افسروں کا بھی ہے۔ آج ناظر دعوۃ و تبلیغ نے مجھے کہا کہ کیا کریں لوگوں کو ہم کہتے ہیں لیکن وہ ہماری کوئی نہیں سنتے۔ آپ اگر کہیں تو سنیں گے۔ ورنہ ہماری بات کی تو کوئی پرواہ نہیں کی جاتی۔ میں نے ان کو بھی اور دیگر افسروں اور نائبوں کو بھی بار بار یہ بات کہی اور اس کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ہر ایک بات منوانے سے ہی لوگ مانتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آئے لوگ ان کی بات کو نہ سنتے تھے اور نہ مانتے تھے مگر کیا انہوں نے یہ کہا کہ لوگ میری بات نہیں مانتے میرے آقا آنحضرت ﷺ ہی خود آویں تو تب یہ مانیں گے۔ بلکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ ہمارا کام ہے منوانا۔ آپ کے بعد حضرت خلیفہ اول خلیفہ ہوئے۔ جونہی کہ لوگوں نے ہوش سنبھالا جھٹ کھڑے ہو گئے کہ ہم کیوں ایک شخص کی اطاعت کریں۔ اس وقت مولوی صاحب نے یہ نہیں کیا کہ جو کام خلافت کی وجہ سے ان پر عائد ہوا تھا اس کو ترک کردیا ہو اور حضرت مسیح موعودؑ کی روح کو مخاطب کر کے یہ کہنے لگ گئے ہوں کہ میں کیا کروں لوگ انکار کرتے ہیں۔ بلکہ وہ اس کام میں لگ گئے۔ یہاں تک کہ اکثر حصہ اٹھانویں ننانوے فی صد مان گئے۔ وہی لوگ جو خلیفہ کی کوئی ہستی نہ سمجھتے تھے ان کو خلیفہ ماننے لگ گئے۔ یا اب جب کہ میری خلافت کا زمانہ آیا تو کس قدر مخالفت ہوئی اور کتنی میرے خلاف کوشش کی گئی تو کیا میں نے اس وقت حضرت مولوی صاحب کو اپنی مدد کے لئے بلایا تھا۔ بلکہ میں جانتا تھا کہ جب یہ کام میرے سپرد ہوا ہے تو مجھے ہی اسے کرنا ہے اور لوگوں سے منوانا ہے۔ اس لئے افسروں کو چاہیے

کہ وہ لوگوں سے منوائیں۔۔ ان پر کام کی اہمیت ظاہر کریں اور بتلائیں کہ اگر تم اس میں شریک نہیں ہو گے تو تباہ ہو جاؤ گے۔ کیونکہ یہ روح نہایت خطرناک ہے۔ آج انہوں نے ناظروں کی بات کی پرواہ نہیں کی۔ کل کو وہ امیروں اور سیکرٹریوں کی بات کو بھی نہیں مانیں گے کہ خلیفہ خود کہے تو ہم مانیں گے۔ اس لئے افسروں کو چاہیے کہ وہ بار بار اس امر کی تبلیغ کریں۔ کیا غیر احمدیوں میں تبلیغ کرنے سے وہ اس لئے رک جاتے ہیں کہ غیر احمدی سنتے نہیں اور مانتے نہیں۔ بلکہ ان کے محلوں اور ان کے گھروں میں جا جا کر تبلیغ کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ بھی افسروں کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کے گھروں اور محلوں میں جا جا کر ان کو کام کی اہمیت بتلائیں۔ تا کہ وہ نظام کے ماتحت کام کرنے کے عادی ہو جائیں۔ اگر افسر ایسا نہیں کرتے اور اس طرح لوگوں کو توجہ نہیں دلاتے تو وہ اپنی ذمہ داری کو ادا نہیں کرتے وہ صحیح طور پر اپنی ذمہ داری سے اس طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے کہ لوگ ان کی نہیں مانتے خلیفہ کی بات مانتے ہیں۔ اس لئے میں ان کو فلاں بات کہدوں۔ اس طرح تو حضرت مسیح موعودؑ پھر یہ کہہ دیتے کہ لوگ میری بات نہیں مانتے۔ آنحضرت ﷺ خود تشریف لائیں تو لوگ مانیں گے اور آنحضرت ﷺ فرما دیتے کہ میری بات تو لوگ نہیں سنتے۔ وہ خدا تعالیٰ سے عرض کرتے کہ آپ خود اگر ان کو سمجھائیں یا اپنا کوئی جلال ان پر ظاہر کریں۔ جس کو کسی کام پر مامور کیا جاتا ہے اور جس کو افسر مقرر کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ اس کام کو ہر طرح کوشش کر کے پورا کرے گا۔ گورنمنٹ جب کسی کو فوج کا افسر مقرر کرتی ہے تو اس سے یہ امید کرتی ہے کہ وہ اپنا آپ منوائے گا اور فوج سے گورنمنٹ کے منشاء کے مطابق کام لے گا۔ اگر کوئی فوج یہ کہہ دے کہ راستہ صاف اور ہموار نہیں یا ہمیں تو باڈی گارڈ کی ضرورت ہے۔ اس فوج نے گورنمنٹ کا کیا کام کرنا ہے۔ جب گورنمنٹ اس کو افسر بناتی ہے تو اس سے امید کرتی ہے کہ یہ لوگوں سے بات منوائے گا ہر معاملہ میں خلیفہ کا دخل دینا اس کا نتیجہ اچھا نہیں۔ لوگوں میں پھر اس بات کی عادت پڑ جائے گی اور وہ ہر بات پر یہ کہہ دیں گے کہ آپ کی ہم نہیں مانتے۔ خلیفہ صاحب کہیں تو مان لیں گے۔ اس طرح تو دنیا کا کوئی کام نہیں چل سکتا۔ میرے نزدیک افسر جو باتیں پیش کرتے ہیں اور جماعت کے لوگ ان کی مدد کے لئے ان کی آواز پر لبیک نہیں کہتے تو ان کی مثال ایسی ہی ہے۔ جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا۔ لن نومن حتے نری اللہ جھرۃ" کہ تمہاری بات ہم نہیں مانتے۔ ہاں اللہ آئے اور کہہ دے تو مان لیں گے۔ دوسروں کو تو وہ وعظ اور نصیحت کریں گے اور ان کے سامنے قرآن کے بیان کردہ واقعات پیش کریں گے۔ مگر جب ان کو ایک انتظام کے ماتحت کوئی افسر کوئی بات کہتا ہے تو کہہ دیتے ہیں خلیفہ صاحب کہیں تو پھر ہم مان لیں گے۔ یہ

نہایت غلط راہ ہے۔ بے شک اس بات کو جو تم کو شریعت کے فتویٰ اور حکم کے خلاف معلوم ہو خلیفہ تک بھی پہنچاؤ۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ تم نظام کی کچھ پرواہ ہی نہ کرو۔ اور کوئی کام بھی بغیر خلیفہ کے دخل دینے کے تم نہ کرو۔ یہ روح بہت خطرناک ہے۔ بہت جلد اس کو نکالنا چاہیے اور اس بت کو جہاں تک ممکن ہو توڑنا ضروری ہے۔ اگر یہی روح ہر ایک شخص کے اندر پیدا ہو گئی۔ تو کل کو بیویاں خاوندوں سے کہنے لگ جائیں گی کہ ہم تمہاری بات نہیں مانتیں خلیفہ صاحب کہیں گے تو مانیں گی۔ اسی طرح لڑکوں کو والدین کہیں گے پڑھنے جاؤ۔ تو وہ یہ کہہ دیں گے کہ خلیفہ صاحب کہیں گے تو ہم مدرسے جائیں گے۔ ہر شخص اپنی جگہ یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا حصہ حکومت ایک ثابت شدہ امر ہے۔ مدرس یہ سمجھتے ہیں کہ طالب علموں کا فرض ہے کہ وہ ان کی بات مانیں۔ لیکن ہیڈ ماسٹر کوئی بات کہے یا ناظر کوئی حکم دے تو پھر کہہ دیتے ہیں کہ خلیفہ صاحب کہیں گے تو ہم مان لیں گے۔ حالانکہ یہ دین کا کام ہے ان کا ذاتی کام نہیں۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ فلاں جھگڑے کا تصفیہ کرنا ہے یا فلاں جگہ جھگڑا ہے وہاں جانا ہے یا فلاں بات ہے اس کے متعلق تحقیقات کرنی ہے یا فلاں جگہ تبلیغ کرنی ہے اور ان لوگوں کو سمجھانا ہے تو یہ ان کے ذاتی کام نہیں۔ کیا اگر خلیفہ نہ ہو تو وہ یہ پسند کریں گے۔ کہ تمام نظام مٹ جائے۔ کیا وہ خود کام نہ کریں گے اور تمام امور کی درستی کے لئے کوشش نہ کریں گے اور اس کو خراب ہونے دیں گے۔ خلیفہ کے لئے اتنا وقت اور فرصت کہاں کہ وہ ہر بات میں دخل دے سکے۔ اس لئے جب بھی آپ کو پکارا جائے آپ کا فرض ہے کہ آپ افسروں کی آواز پر لبیک کہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے تم کو بلاتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی افسر تم سے لکڑیاں اٹھوائے تو تم انکار کر دو۔ مگر اسلام تو یہ بھی حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی دینوی امور میں بھی تمہاری امداد کا محتاج ہے تو تم اس کی مدد کرو بغیر اس کے کہ خلیفہ یا بادشاہ تم کو کہے۔

اس وقت خصوصیت کے ساتھ دو امور کی طرف بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ ایک اشاعت سلسلہ کی طرف اور دوسرے اخلاق کی درستی کی طرف۔ ان دو باتوں کے بغیر ہم کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔ بے شک چندہ دینا اچھا کام ہے۔ مگر چندہ دے دینے سے اخلاق درست نہیں ہو جاتے۔ ہاں جس کے اخلاق درست ہو جائیں وہ چندہ بھی ضرور دے گا۔ جو حضرت ابوبکرؓ جیسے اخلاق پیدا کرلے گا وہ ضرور ان کی طرح خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال بھی دے دے گا۔ لیکن یہ نہیں کہ جو مال دے اس کے اندر حضرت ابوبکرؓ جیسے اخلاق بھی پیدا ہو جائیں۔ یہ تو ممکن ہے کہ کوئی اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دیدے مگر وہ ابوبکر نہ بن سکے۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ کوئی ابوبکر بنے اور پھر اپنا سارا مال خدا کی راہ میں نہ دے۔ میرے نزدیک موجودہ ترقی کی رفتار بہت کمزور ہے۔ جب تک ایک لاکھ

سالانہ سلسلہ میں لوگ داخل نہ ہوں ہماری ترقی خطرہ میں ہے۔ ہمیں جلد سے جلد اس بات پر قادر ہونا چاہیے۔ ایک لاکھ سالانہ کی رفتار سے ہم یہ امید کر سکتے ہیں کہ سلسلہ میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے۔ کہ جو اس کام کو جاری رکھ سکیں گے۔ موجودہ حالت میں تو ہم یہ بھی امید نہیں کر سکتے۔ پس جس طرح احباب سب چندہ دیتے ہیں اسی طرح ایک دو سال بھی اگر وہ سب اشاعت سلسلہ اور اخلاق کی درستی کی کوشش میں لگ جائیں۔ جس کے ساتھ جماعت کے اندر ایک رو پیدا ہو جائے۔ تو اس طرح ایسی تعداد پیدا ہو سکتی ہے کہ جو کام کو سنبھال سکیں۔

اس لئے میں ان لوگوں کو جو خطبہ سنتے ہیں اور یہاں حاضر ہیں۔ اور ان کو بھی جن تک یہ خطبہ پہنچے اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ آج دل میں وعدہ کرلیں کہ اشاعت سلسلہ میں وہ ہمہ تن مشغول ہو جائیں گے۔ اور اس فرض کو محسوس کر کے اپنی زندگیوں کو دین کے لئے وقف کریں گے۔ اس کے بعد میں ان لوگوں کو بھی توجہ دلاتا ہوں جن کے سپرد کام کا کوئی حصہ کیا گیا ہے کہ آج سے وہ پوری محنت اور کوشش سے کام کریں۔ تمام افسروں اور سیکرٹریوں اور امیروں کا فرض ہے کہ وہ ایک نظام کے ماتحت کام کی سکیم تیار کریں اور پھر لوگوں سے اس کام کو پورا کرائیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو جواب دہ ہیں۔ موجودہ حالت میں تین چار ہزار آدمیوں کی سالانہ ترقی سلسلہ میں ہوتی ہے۔ اگر دس ہزار سالانہ بھی ہو تو یہ بھی کم ہے۔ کیونکہ اگر اس تعداد کو چھانٹا جائے تو بچے عورتیں اور پرانے احمدیوں کی اولاد کو نکال کر پانچ چار ہزار ہی رہ جاتے ہیں۔ اگر ناظریت المال چندے پوری طرح فراہم نہ کریں تو دیکھیں دوسرے افسر کس طرح خاموش بیٹھے رہیں۔ سب شور مچانے لگ جائیں۔ لیکن مجھے تعجب ہے کہ اتنی تھوڑی تعداد جب وہ سلسلہ میں داخل ہوتی دیکھتے ہیں تو وہ شور کیوں نہیں کرتے اور افسر گھبراتے کیوں نہیں۔ موجودہ ترقی تو بہت سست ہے۔ اس سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ کے وقت جب کہ لوگ جوق در جوق اور فوج در فوج سلسلہ میں داخل ہوئے تھے۔ ان کی کمی بھی موت فوت یا ارتداد وغیرہ کے ذریعے جو ہوتی تھی پوری کرنا مشکل تھی۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ہم اپنے فرائض کو سمجھیں اور ہم اپنے اوقات کو خدمت اسلام اور سلسلہ کی اشاعت میں صرف کریں۔

خطبہ کے بعد حضور نے فرمایا کہ میں نماز کے بعد حکیم احمد حسین صاحب کا جنازہ پڑھوں گا۔ حکیم صاحب شاعر تھے۔ اکثر جلسوں میں شعر پڑھا کرتے تھے اور مخلص احمدی تھے۔ ان کے بھائی کا خط آیا ہے کہ وہ علاقہ نماڑ میں فوت ہوئے ہیں اور ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔ اس لئے میں ان کا جنازہ پڑھوں گا۔

(الفضل ۲۱ فروری ۱۹۲۵ء)